Biannual Research Journal
AL-IDAH
Published by
SHAYKH ZAYED ISLAMIC CENTRE
UNIVERSITY OF PESHAWAR
PESHAWAR,PAKISTAN
ISSN (Print) : 2075-0307
ISSN (Online) : 2664-3375
OPEN ACCESS
ششماہی تحقیقی مجلّہ
الإیضاح
شیخ زاید مرکز اسلامی جامعہ پشاور
www.al-idah.szic.pk
JAN-JUNE 2020
VOL:38 ISSUE:1

"تقیہ" کی اصطلاح اور علامہ آلوسی کا مؤقف
(تفسیر روح المعانی کی روشنی میں تحقیقی جائزہ)

The perspective of Allama Alusi On "Taqiah" in the light of Tafsir Roohul maani: A reaserch study

Sana Ullah
PhD Scholar, Department of Islamic Studies
University Of Malakand
Dr. Badshah Rahman
Assistant Professor, Department of Islamic Studies
University Of Malakand

Article DOI: https://doi.org/10.37556/al-idah.038.01.0525

Abstract
Taqiya being a legal term absorbed a wide range of debate among Muslim theologins .Ahlu's – Sunnati wa'al-Jumati considers it as a source of determination and persistence while the Shia school of thought preambles it as a source of permissiveness. Furthermore, Shia edifice provides a course of arguments to assimilate it as a religious obligation that establishes the fundamental of the religion. According to Shia discourses, taqiya should be treated as a paramount element in all social interaction and exclude one who does not commit it from the religion. On the other hand, Ahlu's-Sunna dignifies one who omits taqiya in his practicalities, because they graded it as admissible while executing religious affairs. Allama Alusi comprehensively discussed this subject in his prominent work and elaborated the arguments of Ahlu's-Sunna and Shia school of

Scan for Download

thought.This paper deals with the mentioned subject as well as explore how Alusi prefers the viewpoint of Ahlu's-Sunnati wa'al-jamati.

Key words; *Allama Alusi, Taqiah, Roohul maani*

تمہید:

تقیہ ایک شرعی اصطلاح ہے جس کا ذکر سنی وشیعہ دونوں مکاتب فکر کی کتب میں موجود ہے۔ سنی مسلمان "تقیہ" کو رخصت کے معانی میں لیتے ہیں جبکہ اہل تشیع اس کو عزیمت کا درجہ دیتے ہیں۔ اس بنیاد پر یہ اصطلاح اہل تشیع کے نزدیک بہت زیادہ مشہور و مقبول ہے۔ جس کا اندازہ اس قول سے لگایا جاسکتا ہے کہ "من صلی وراء سنی تقیة فکأنما صلی وراء نبی[۱]" جس نے تقیہ کی بنیاد پر ایک سنی کی امامت میں نماز پڑھی تو یہ اسطرح ہے کہ گویا اس نے پیغمبر کی امامت میں نماز ادا کی۔

دوسری طرف سنی مسلمان کہتے ہیں کہ جو شخص تقیہ کو ترک کرکے ایک کافر کے سامنے کلمہ توحید پڑھے اور اس کے نتیجے میں وہ قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے شیعہ اور سنی کے درمیان تقیہ کے بارے میں اس متضاد موقف کا تقاضا ہے کہ "تقیہ" کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی جائے۔

اس موضوع پر بہت سے علماء نے بحث کی ہے لیکن علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر میں سورۃ آل عمران کی آیت "لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ" [۲]" کی تفسیر کے تحت اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے جو بہت زیادہ مدلل و مفید ہے۔

علامہ آلوسیؒ کا مختصر تعارف: علامہ آلوسیؒ ۱۲۱۷ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے، علامہ آلوسیؒ کا پورا اسم مبارک سید محمود آفندی تھا، کنیت ابوالثناء تھی لیکن دنیا ان کو علامہ آلوسیؒ کے نام سے جانتی ہے "آلوس" ایک قریہ تھا جو بغداد اور شام کے درمیان کی راہ میں ایک جگہ پر آباد تھا۔ والدِ محترم بغداد کے کبار علماء میں سے تھے۔ اس لئے آپ کے گھر پر ہمیشہ طلباء کا ایک جم غفیر علم کے پیاس بجھانے کے لئے حاضر رہتا تھا۔ اسی علمی ماحول میں آپ نے پرورش پائی۔ انہوں نے اپنے باپ و دیگر اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ علامہ آلوسیؒ علم فقہ و اصول علم فقہ، تفسیر، حدیث، فن ہیئت و علم صرف اور علم نحو پر مکمل طور پر دسترس حاصل کرچکے تھے۔ علامہ آلوسیؒ ۲۵ ذوالقعدہ ۱۲۷۰ھ کو اس دنیا سے رحلت کرگئے اس وقت ان کی عمر ۵۷ برس تھی وہ بغداد کے محلہ کرخ کے ایک قبرستان میں دفن ہیں[۳]۔

تفسیر روح المعانی کا مختصر تعارف: تفسیر روح المعانی روایت و درایت یعنی تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے المحمود دونوں لحاظ سے جامع تفسیر ہے۔ روح المعانی میں سلف کی آراء بھی نقل کی گئی ہیں۔ اور خلف کے اقوال بھی پوری امانت اور

دیانت کے ساتھ منقول ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ سابقہ تفاسیر کے خلاصے پر مشتمل تفسیر ہے۔ علامہ آلوسیؒ کے مضبوط حنفی المسلک عالم ہونے کی وجہ سے ان کی تفسیر میں معتزلہ، شیعہ اور دوسرے بدعتی فرقوں کی آراء کی تردید کی گئی ہے۔ آیات کونیہ کی تفسیر میں علوم جدیدہ سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ آیات و احادیث اور جدید سائنس کے درمیان حتی الامکان مطابقت لانے کی سعی کرتے ہیں(۴)۔

تقیہ کے لغوی معنی: تقیہ کا لفظ مادة "و، ق، ی" سے مصدر یا اسم مصدر کا صیغہ ہے، تَقٰی یَتقِی تُقًی وَتِقَاءً وَتَقِيَّةً، پرہیز کرنا، اِتَّقٰی اِتِّقَاءً و تَوَقّٰی تَوَقِّيًا فُلاناً: پرہیز کرنا، خوف کرنا(۵)، پرہیز کرنا، خودداری کرنا اور مخفی کرنے کے معنی میں آتا ہے(۶)۔ خدا کا ڈر، وہ راز جو دل میں ہو مگر کسی کے خوف سے ظاہر نہ کیا جائے، ڈر کی وجہ سے حق پوشی کرنا، شیعہ مسلمانوں کے عقیدے میں کسی ظلم کے ڈر سے حق پوشی کرنا(۷)۔

اصطلاح میں تقیہ کی تعریف: اصطلاحی اعتبار سے تقیہ کی تعریف یہ ہے کہ مدعی ایمان کا کفار اور مشرکین کے شر سے بچنے کے خاطر بظاہر ان سے دوستی اور تعلق کا اظہار کرنا یا بادل ناخواستہ ان کے دین کے بعض شعائر کی موافقت کا اظہار کرنا اس حال میں کہ قلب و دماغ ایمان پر پوری طور پر منشرح ہوں(۸)۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ "لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ" (۹)۔

حضرات شیعہ کے نزد تقیہ کی حقیقت:

اہل تشیع کے نزد تقیہ کی حقیقت و اہمیت: تقیہ کی ماہیت اور حقیقت پر شیعہ علماء تقریبا متفق ہیں البتہ انہوں نے اس کی تعبیر مختلف الفاظ میں کی ہے جس میں سے بعض تعبیرات درجہ ذیل ہیں:

- تقیہ سے مراد کسی دنیاوی یا دینی نقصان سے بچنے کے لئے مخالفین کے سامنے حق یا حق پر اعتقاد رکھنے کا چھپانا ہے(۱۰)۔
- تقیہ یہ ہے کہ جان کی حفاظت کی خاطر ایسی چیز زبان پر لانا جس کو انسان کا دل قبول نہ کرتا ہو(۱۱)۔
- تقیہ سے مراد دوسروں کے ساتھ رفتار یا گفتار میں ان کی پیروی کرتے ہوئے خود کو دوسروں کے گزند سے محفوظ رکھنا ہے(۱۲)۔

شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد میں "کتمان" اور "تقیہ" شامل ہیں۔ کتمان سے مراد ہے اپنے عقیدے کو چھپانا و دیگر افراد کے سامنے ظاہر نہ کرنا ہے۔ اور تقیہ کا مطلب ہے اپنے قول و عمل عقیدہ اور ضمیر کے برعکس ظاہر کرنا اور اس طریقے سے دوسرے لوگوں کو فریب میں مبتلا کرنا۔

سوال یہ ہے کی تقیہ کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اہل تشیع نے کیوں اس عقیدے کو اپنایا ہے۔ شیعہ مذہب کے مطالعہ کے بعد ہم اس حقیقت پر پہنچتے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا کے شاگردوں نے عراق میں سن ا ہجری کے اخیر اور سن ۲ ہجری کے اوائل میں اثناعشریہ مذہب کی بنیاد ڈالی تو انہوں نے "عقیدہ امامت" و شیعہ مسلک کو تحفظ دینے کیلئے یہ دونوں عقیدے گڑھ لئے۔ پہلا کتمان جس سے مراد یہ ہے کہ ان کے تمام اماموں کو بذات خود اللہ و رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم تھا کہ عقیدہ امامت کو ظاہر نہ کیا جائے اور اسکو مخفی رکھے، یہی وجہ ہے کہ ان اماموں نے عوام الناس کے روبرو امامت کا عقیدہ برملا بیان نہیں کیا۔ دوسرا عقیدہ تقیہ کا تھا جس کی وجہ سے وہ عمر بھر اپنے ضمیر اور عقیدہ کے خلاف عمل کرتے رہے شیعوں نے اس عقیدے کو ایک بہترین عبادت گردانا ہے۔ شیعوں کے نزدیک دین دس حصوں پر مشتمل ہے، جن میں سے تقیہ کے لئے نو حصے وقف کر دیے گئے ہیں[۱۳]۔

اس طرح حبیب بن بشیر سے روایت ہے کہ امام صادق صاحب نے فرمایا کہ یا حبیب جو فرد تقیہ پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی شان اور عزت کو بلند کر دیتا ہے، اور جو تقیہ کرنے سے گریز کرتا ہے اللہ اس کو ذلیل و رسوا کریگا[۱۴]۔

ایک روایت میں امام باقر سے نقل کیا گیا ہے کہ تقیہ میرے اور میرے آباء واجداد کا مذہب ہے جو بھی تقیہ کرنے سے انکار کرتا ہے وہ بے ایمان ہوتا ہے[۱۵]۔

اس کے علاوہ ابو عبد اللہ نے اپنے باپ کا قول نقل کیا ہے کہ روئے زمین پر میرے نزدیک تقیہ سے زیادہ کوئی محبوب چیز نہیں جو تقیہ کرے گا خدا اس کو بلند مرتبہ دے گا، اے حبیب جو تقیہ نہیں کرے گا اللہ اس کو پست کرے گا[۱۶]۔

اہل تشیع عام لوگوں کے روبرو یہ یقین دلاتے ہیں کہ تقیہ صرف ان حالات میں جائز ہے جب کسی انسان کی جان کو خطرہ ہو لیکن ان کی کتب میں تحریر شدہ عبارت اس عقیدے کے برعکس ہے بلکہ ان کی کتب ان واقعات سے بھری ہیں کہ وہ بغیر کسی مجبوری کے بھی تقیہ اختیار کرتے ہیں۔

زرارہ نے امام باقر کا قول نقل کیا ہے کہ تقیہ ہر اس وقت جائز تصور کیا جائے گا جب انسان کسی مجبوری کا شکار ہو اور وہ اپنی مجبوری خوب جانتا ہے وہ اس کو صرف جائز نہیں بلکہ فرض اور لازم سمجھتا ہے[۱۷]۔

اقوال بالا سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ شیعہ تقیہ کو وہ حیثیت دیتے ہیں جو دین کے دیگر فرائض اور واجبات کی ہے ان کا عقیدہ ہے کہ تقیہ کے مطابق عمل کرنا عبادت اور اس کو ترک کرنا گناہ ہے، اس وجہ سے وہ دین کے دس حصے بنادیتے ہیں اور وہ ان میں سے تقیہ کو نو حصوں کی حیثیت دیتے ہیں۔ تقیہ ان کے نزدیک اللہ کے ہاں قرب جبکہ اس کو ترک کرنا اللہ سے دوری کا باعث ہے۔

تقیہ کی شرعی حثیت:

اگرچہ اہلسنت والجماعت کے ہاں لفظ تقیہ کا زیادہ استعمال نہیں ہے، وہ زیادتر رخصت اور عزیمت کے الفاظ کو استعمال کرتے ہیں۔

تقیہ کا مطلب یہ ہے: آبرو، جان اور مال پر حملہ کرنے والوں کے شر سے تحفظ دینا۔ دشمن دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو دین کا دشمن ہو جیسے غیر مسلم اور دوسرا وہ جو دنیاوی مفادات مال و دولت وغیرہ کے لحاظ سے دشمن ہو۔ اس لحاظ سے تقیہ کی بھی دو قسمیں ہو گئیں۔

۱: دین کے اختلاف کی وجہ سے جو دشمنی لاحق ہوتی ہے اس میں تقیہ پر عمل پیرا ہونے کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو کافروں کے علاقے میں جان، مال اور عزت وغیرہ کا خطرہ ہو تو پھر اس علاقے کو چھوڑنا واجب ہے اور اس صورت میں تقیہ نہ کرنا واجب ہے اور کافروں کی موافقت سے اجتناب کرنا ضروری ہے اس پر دلیل یہ آیت ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا (۱۸)۔ ترجمہ:" بلاشبہ جن بندوں کی جانیں ملائک اس وقت لے جاتے ہیں جب کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے تو ملائک ان سے مخاطب ہوتے ہیں کہ تمھارا کیا حال تھا وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم زمین میں مجبور ولاچار تھے ملائک کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم زمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے یہی وہ لوگ ہے جن کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے جو ایک بہت بری جگہ ہے۔ مگر وہ لوگ جو بے بس اور مجبور ہیں وہ مرد اور عورتیں اور معصوم بچے جو ہجرت کرنے کا حیلہ نہیں پاتے اور وہ راستہ پانے سے نابلد ہوں تو عنقریب ہے کہ اللہ ان سے عفو ودرگزر کریگا اللہ بہت زیادہ درگزر کرنے والا اور بہت زیادہ مغفرت کرنے والا ہے"۔

ظلم وجبر کی حالت میں اپنے اپ کو بچانے کے لئے تقیہ پر عمل کرنا جائز ہے جبکہ تقیہ نہ کرنا عزیمت ہے جس کی دلیل حسن بصریؒ کی روایت ہے کہ مسیلمہ کذاب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں کو پابندی سلاسل کیا ان دونوں میں سے اس نے ایک سے سوال کیا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ انہوں نے جواب دیا ہاں، پھر پوچھا کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں اس صاحب نے ہاں میں جواب دیا تو اس کو رہا کر دیا گیا پھر اس نے دوسرے صاحب کو بلایا اور اس سے پوچھا کیا تم یہ شہادت دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں پھر پوچھا کیا تم یہ شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں، اس نے جواب دیا کہ

میں نہیں سنتا ہوں۔ اس صحابی نے تین بار اس سوال کے جواب میں یہی کہا، مسیلمہ نے اس کے جسم سے اس کا سر قلم کر دیا جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مارا گیا اور اپنی سچائی اور یقین پر قائم رہا وہ فضیلت سے سرفراز ہوا مبارک ہو اس کو، دوسرے شخص نے مصلحت سے کام لیا اور اس پر وہ کسی ملامتی کا حقدار نہیں[۱۹][۲۰]۔

۲: جو دشمنی دنیاوی جاہ و جلال اور منصب وغیرہ کی وجہ سے ہو تو اس میں علماء کے مابین اس بات پر اختلاف موجود ہے کہ علاقہ چھوڑنا لازم ہے یا نہیں، بعض علماء کا خیال ہے کہ ان حالات میں وطن چھوڑنا لازم ہے کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :﴿وَأَنفِقُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَلاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوَاْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾[۲۱]۔ ترجمہ: اللہ کی راہ میں انفاق کرتے رہو، اور اپنی جانوں کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو، اور بھلائی کرتے رہو، اللہ تعالیٰ بھلائی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مال کو برباد کرنا بھی شریعت میں ممنوع ہے اور کچھ علماء کا خیال ہے کہ دنیاوی مفاد کی صورت میں ملک چھوڑنا ضروری نہیں اور چند علماء نے ملک چھوڑنا واجب قرار دیا ہے لیکن یہ وہ عبادت نہیں ہے جس کی بدولت انسان کو ثواب ملتا ہے[۲۲]۔

تقیہ کے متعلق علماء اہل سنت کی آراء:

علامہ قرطبیؒ: امام قرطبی مالکی فرماتے ہیں: کہ جب مسلمان کافروں کے درمیان ہو تو یہ درست ہے کہ وہ اپنی حفاظت اور تحفظ کی خاطر نرم لہجے میں بات کرے جب کہ اس کا دل ایمان پر بالکل مطمئن ہو، اور اگر یہ خوف نہ ہو کہ اس کے جسم کے اعضاء کو کاٹا جائے گا یا ناقابل برداشت تکلیف دینے کا خطرہ نہ ہو تو پھر تقیہ کرنا درست نہیں ہے اور جس شخص کو ایمان چھوڑنے پر مجبور کیا جائے تو صحیح عقیدہ یہ ہے کہ اپنے دین پر ڈٹا رہے اور اپنے منہ سے کفر کا کلمہ صادر نہ کرے اگر چہ اسے اسطرح کرنا جائز ہے[۲۳]۔

امام جصاصؒ: امام جصاصؒ حنفی بیان کرتے ہیں: کہ اضطرار کی صورت میں تقیہ کرنے کی اللہ کی جانب سے اجازت ہے اور یہ لازم نہیں ہے بلکہ تقیہ پر عمل نہ کرنا بہتر ہے، ہمارے لوگوں میں سے جسکو بھی ایمان چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور وہ ایمان چھوڑنے پر راضی نہیں ہوا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا تو اس کی اس شخص سے زیادہ فضیلت ہے جو تقیہ پر عمل پیرا ہوا، مشرکین نے خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کر لیا یہاں تک کہ وہ شہید کر دئے گئے، مسلمانوں کا خیال ہے کہ وہ عمار بن یاسر سے زیادہ فضیلت والے تھے، جنہوں نے تقیہ کا راستہ اختیار کر کے کفر کا اظہار کیا تھا[۲۴]۔

امام رازیؒ: امام رازیؒ فرماتے ہیں: کہ جب اشد ضرورت ہو تو تقیہ صرف اس وقت اختیار کیا جائے گا جب معاملہ حق کے اظہار اور دین کا ہو اور اگر ضرورت کسی دوسرے معاملے میں ہو تو پھر تقیہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے مثلاً اپنی جان

بچانے کے لئے کسی کو مار ڈالنا، بدکاری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، جھوٹی شہادت دینا، کسی پر تہمت لگانا اور مسلمانوں کے حالات سے کافروں کو باخبر کرنا یہ وہ معملات ہیں جن میں تقیہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے مگر امام شافعیؒ کا خیال یہ ہے کہ اگر اس طرح کی صورتحال مسلمانوں میں پیدا ہو جائے تو اپنی جان اور مال کے تحفظ کے لئے تقیہ سے کام لینا جائز ہے[۲۵]۔

تفسیر روح المعانی میں تقیہ کی تحقیق:

دشمن دو قسم کے ہیں: اول: جس کی عداوت اختلاف دین پر مبنی ہو جیسے کافر، اور دوم جس کی عداوت اغراض دنیاویہ جیسے مال و متاع، بادشاہت اور امارت پر مبنی ہو۔ اور یہاں سے تقیہ کی دو قسمیں بن گئیں۔

قسم اول کا شرعی حکم یہ ہے کہ مؤمن کسی ایسے علاقے میں رہتا ہو جس علاقے میں وہ اپنے عقیدے کا اظہار نہیں کر سکتا، تو اسے یہاں سے منتقل ہونا لازم ہے۔ اور اگر ترک ہجرت میں عذر شرعی ہو جیسے بچے، عورتیں یا محبوس لوگ ہوں تو اس صورت میں ٹھہرنا جائز ہوتا ہے، اور بقدر ضرورت موافقت کرنا بھی جائز ہے، یہی موافقت رخصت کہلاتی ہے۔ جس کی مثال اوپر حسن بصری کی روایت میں گزر چکی کہ مسیلمہ نے جس صحابی کے جسم سے اس کا سر قلم کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مارا گیا اور اپنی سچائی اور یقین پر قائم رہا وہ فضیلت سے سرفراز ہوا مبارک ہو اس کو، دوسرے شخص نے مصلحت سے کام لیا اور اس پر وہ کسی ملامتی کا حقدار نہیں[۲۶]"۔

اور دوسری قسم کے دشمن کی صورت میں وجوب ہجرت کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف موجود ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ ہجرت واجب ہے وہ قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں "وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ"[۲۷]" اور تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو" بعض علماء وجوب ہجرت کے قائل نہیں ہے ان علماء کی نیت میں مصالح دنیاوی کا تصور ہے۔

اس تحقیق کے علاوہ دو فرقے لوگوں کی مخالفت میں رائے رکھتے ہیں۔ وہ دو فرقے خوارج اور شیعہ ہیں۔ خوارج کی رائے تو یہ ہے کہ تقیہ پر عمل کرنا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے نہ تو مال کا خیال رکھا جائے گا اور نہ نفس کی حفاظت اور آبرو کے بچانے میں دین کو نظر انداز کیا جائے گا۔ وہ اس باب میں بڑے متشدد ہیں۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک اگر ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو اور چور یا ڈاکو چوری کی غرض سے آئے تو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ نماز کو قطع کر دے۔ بلکہ یہ اسکے لیے حرام ہے کہ نماز توڑ دے۔

اور اہل تشیع کے ہاں یہ مقام اضطراب ہے۔ بعض نے کہا کہ تمام اقوال میں عند الضرورۃ جائز ہے۔ جب کہ افعال میں اس طرح کرنا درست نہیں ہے۔ مثلاً مومن کو مار ڈالنا اور ایسی چیز جس کے بارے میں معلومات نہ ہوں یا اس کا یقین ہو کہ یہ دین میں فساد کا سبب بنے گا اور بعض کا قول ہے کہ یہ کبھی واجب ہوتا ہے اور اس کا فعل کسی وقت میں اس

کے ترک میں افضل ہوتا ہے۔ ابو جعفر طوسی کا قول ہے کہ "تقیہ نفس پر خوف کی حالت میں واجب ہوتا ہے[۲۸]"۔ ان کے علاوہ بعض کا قول ہے کہ "یہ مال پر خوف کے وقت بھی واجب ہے۔ اور عزت بچانے کی صورت میں یہ عمل استحبابی ہے۔ یہاں تک کہ بعض کے نزدیک سنت ہے۔

بعض اہل بیت کے ائمہ سے منقول ہے کہ جس نے سنی کے پیچھے تقیہ کر کے نماز پڑی گویا اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھ لی۔ اور اس نماز کے قضا کے وجوب میں ان کے ہاں اختلاف ہے[۲۹]۔

اور انہوں نے ائمہ کے اکثر افعال کو (جو اہل سنت کے مذہب کے موافق ہوں اور اس پر وہ شیعہ کے مذہب پر دلیل قائم کرتے ہیں) تقیہ کے طرف منسوب کیا ہے اور اسے اصل الاصول بنایا گیا ہے۔ اور اس پر اپنے دین کی بنیاد رکھی ہے۔ اور وہ ان کے ہاں اب بھی شائع ہے۔ یہاں تک کہ ان حضرات نے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف اس بات کو منسوب کیا ہے۔ اور بڑا مقصد اس سے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اقتدار کا ابطال ہے[۳۰]۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو جو تقیہ کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے وہ سب باطل معلوم ہوتا ہے۔ نہج البلاغہ میں ہے جو اہل تشیع کے مطابق اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے کہ امیر رضی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایمان کی علامت یہی ہے کہ صدق پر کذب کو ترجیح دی جائے جہاں کذب کا نفع زیادہ ہو[۳۱]۔ یہاں ہر قسم کے تقیہ کی نفی کی گئی ہے۔ اسی طرح شاہ عبد العزیز نے اپنی کتاب میں تفصیلی واقعہ بیان کیا ہے جس میں یہ الفاظ مندرج ہیں: " لوگوں کو حدیث بیان کرو اور اہل بیت کے علوم کو پھیلاؤ۔ اور اپنے نیک آباء کی تصدیق کرو۔ اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔ کسی کو آپ کے مواخذہ کا حق نہیں۔ پھر انہوں نے جعفر صادق کو دیا۔ انہوں نے مہر توڑا اس میں پایا کہ لوگوں سے حدیث بیان کرو اور ان کو فتویٰ دیا کرو اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے بھی خوف نہ کھاؤ اور اہل بیت کے علوم کو پھیلاؤ اور اپنے نیک آباء کی تصدیق کرو۔ بے شک آپ حفظ وامان میں رہو گے "[۳۲]۔

اس روایت میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ ان بزرگ ہستیوں کے دین میں تقیہ نہیں تھا جس طرح شیعہ گمان کرتے ہیں۔

نتائج:

- اہل تشیع تقیہ پر عمل کو واجب اور عزیمت سمجھتے ہیں
- اہل سنت والجماعت تقیہ کو عزیمت نہیں بلکہ رخصت سمجھتے ہیں
- علامہ آلوسیؒ نے اہل تشیع اور اہل سنت دونوں کا مؤقف بیان کیا ہے
- علامہ آلوسیؒ نے تقیہ کے باب میں اہل سنت والجماعت کے مؤقف کو ترجیح دی ہے

- تقیہ کے بارے میں اہل تشیع کی اکثر روایات سنداً درست نہیں ہیں

خلاصہ:

تقیہ کے تاریخی پس منظر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بطور عقیدہ سن دو ہجری کے آغاز میں عبد اللہ بن سبا اور اس کے شاگردوں نے متعارف کرایا تھا۔ شیعہ اہل علم کے نزدیک تقیہ پر عمل کرنا عزیمت اور ایمان کی علامت ہے دوسری طرف اہل سنت والجماعت لفظ تقیہ استعمال کرتے ہیں نہ اس کو عزیمت سمجھتے ہیں بلکہ عزیمت اور رخصت کے الفاظ سے اس کو تعبیر کرتے ہیں اور اس کو رخصت سمجھتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے بہت سے اہل علم نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے جس میں علامہ آلوسیؒ کی تحقیق کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ اس نے دونوں مدارس کے موقف اور دلائل کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اہل سنت کے مؤقف کو راجح قرار دیا ہے اور اس حوالے سے شیعہ علماء کے دلائل کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ اس باب میں شیعہ نے جتنے بھی روایات سے استدلال کیا ہے وہ اکثر سنداً صحیح نہیں ہیں۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International Licence.

حواشی:

(۱) البراک، شیخ عبدالرحمان بن ناصر، عقیدہ تقیہ، عقیدہ لائبریری، ۱۴۳۱ھ / ۲۰۱۰ء، ص۶

(۲) سورۃ ال عمران:۲۸

(۳) گوہر رحمان، مولانا، علوم القرآن، مکتبہ، تفہیم القرآن، مردان، پاکستان، ۱۴۳۱ھ / ۲۰۱۰ء، ج۲، ص:۴۸۶

(۴) أیضاً

(۵) معلوف، لویس، المنجد عربی اردو، ترجمہ، مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ، مطبع، افضل شریف پرنٹر، ۱۴۰۴ھ ص۹۹۳

(۶) ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، الافریقی، لسان العرب، دارصادر، بیروت، ۱۴۱۴ھ ج۱۴، ص۴۲۰

(۷) فیروز الدین، الحاج، مولوی، فیروز اللغات، جامع اردو، فیروز سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، کراچی پاکستان، ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹، ص۳۷۰

(۸) الدہلوی، شاہ عبدالعزیز، تحفۃ اثنا عشریہ، باب ۱۱، دارالاشاعت کراچی، ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء، ص۶۸۴

(۹) سورۃ ال عمران:۲۸

(۱۰) مفید، تصحیح اعتقادات الامامیہ، حسین درگاہی، بیروت، ۱۹۹۳ء / ۱۴۱۴ھ، ص۱۳۷

(۱۱) طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، محقیق و معلق، ہاشم رسولی و فضل اللہ یزدی طبائی، ناصر خسرو، تہران، ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۰ء، ج ۲، ص ۴۲۹

(۱۲) انصاری، مرتضی بن محمد بن امین، التقیہ، فارس حسون، ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء، ص ۳۷

(۱۳) کلینی، محمد یعقوب، اصول الکافی، ظفر شمیم ٹرسٹ، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی، پاکستان، ۱۴۱۰ھ، ج ۴، ص ۱۴۰

(۱۴) کلینی، اصول الکافی، ج ۴، ص ۱۴۴

(۱۵) أیضا، ص ۱۴۱

(۱۶) اأیضا، ص ۱۴۲

(۱۷) أیضا، ص ۱۴۴

(۱۸) سورۃ النساء: ۹۷–۹۹

(۲۱) ابن ابی شیبہ، ابو بکر، عبد اللہ بن محمد، المصنف، مکتبۃ الرشد، الریاض، ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹ء، ج ۶، ص ۴۷۳

(۲۲) ابو بکر، احمد بن علی الرازی الجصاص، احکام القرآن، ناشر، سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ، ج ۲، ص ۱۰

(۲۳) سورۃ البقرۃ: ۱۹۵

(۲۴) الآلوسي، محمود بن عبد اللہ الحسيني، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۵ء، ج ۳، ص: ۱۲۱

(۲۵) القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، الجامع الاحکام القرآن (المعروف تفسیری القرطبی)، دار الکتب المصریہ، القاہرہ، ۱۳۴۸ھ / ۱۹۶۴ء، ج ۵، ص: ۵۷

(۲۴) احکام القرآن للجصاص، ج ۲، ص ۱۰

(۲۷) رازیؒ، محمد فخر الدین بن علامہ ضیاء الدین، تفسیر کبیر، دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء، ج ۳، ص: ۹۵

(۲۶) ابن ابی شیبہ، ابو بکر، عبد اللہ بن محمد، المصنف، مکتبۃ الرشد، الریاض، ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹ء، ج ۶، ص ۴۷۳

(۲۷) سورۃ البقرۃ: ۹۵

(۲۸) شاہ عبد العزیز، تحفۃ اثنی عشریہ، ص ۲۹۰

(۲۹) أیضا

(۳۰) أیضا

(۳۱) شاہ عبد العزیز، تحفۃ اثنی عشریہ، ص ۲۹۰)

(۳۲) شاہ عبد العزیز، تحفۃ اثنی عشریہ، ص ۲۹۲